عدل اجتماعی کے قرآنی تصور کا تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر جواد حیدر ہاشمی*

Abstract

Justice is such a trait that its deliverance has remained the fundamental goal of humans throughout. Allah has highlighted the Islamic concept of collective justice in various verses in the noble Quran, terming it as one of the aims of appointing prophets. Presenting a universal concept of justice, the noble Quran demands of humans to set aside their own selves and always make efforts to establish social justice without being influenced by relations, colour, race, religion, friendship and enmity so that a great Islamic society comes into being.

Key words: Justice, Society, Quran, Law, Rights, Islam

خلاصہ

عدل ایک ایسی صفت ہے جس کا حصول ہر دور میں تمام انسانوں کا بنیادی ہدف رہا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات کریمہ میں عدل اجتماعی کے اسلامی تصور کو اجاگر فرمایا ہے اور اسے انبیائے کرامؑ کی بعثت کے اہداف میں سے شمار کیا ہے۔ قرآن مجید عدل کا ایک آفاقی تصور پیش کرتے ہوئے انسان سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے خول سے نکل کر رشتہ داری، رنگ، نسل، مذہب، دوستی اور دشمنی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہر حال میں عدل اجتماعی کے قیام کی کوشش کرے جس سے ایک بہترین اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں آسکے۔

مقدمہ

قرآن مجید میں عدل اور قسط سے متعلق بہت ساری آیتیں موجود ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ دین مبین اسلام میں عدالت کی کتنی اہمیت ہے۔ عدالت ایک ایسی صفت ہے کہ جس کے حصول کی آرزو انسانی وجود کی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

گہرائیوں میں موجود ہے اور ہمیشہ سے تمام افراد کے پاس ایک اعلیٰ اور بنیادی ہدف کے طور پر مد نظر رہا ہے اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جس صفت کا انسان اپنی پاکیزہ فطرت کے ساتھ آرزو مند ہو اس طرف دین مبین اسلام کوئی توجہ نہ دے۔ وہ دین کہ جو تمام ادیان کا ناسخ ہے اور قیامت تک کے تمام لوگوں کے لئے مکمل اور جامع آئین اور قانون لے کے آیا ہے کہ جس دین میں انسان کے کمال تک پہنچنے کے تمام اصول وضوابط بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ چونکہ آخری دین ہے اور اس کے بعد کوئی نیا دین بھی نہیں آئے گا، لہٰذا اس دین نے باقی تمام افراد اور ادیان کی نسبت مفہوم عدالت کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔ اور اس سلسلے میں زیادہ تر عدل کے اجتماعی پہلو کو اجاگر کیا ہے۔

قرآن کا تصور عدل

قرآن کریم میں کلمہ عدل اور اس کا مترادف لفظ قسط کئی مرتبہ استعمال ہوا ہے یہاں تک کہ کلمہ عدل اپنے مشتقات کے ساتھ ۲۸ مقامات پر آیا ہے۔ اسی طرح کلمہ ٔ قسط جو عدل ہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ۲۷ مرتبہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ قرآن مجید میں عدل اور قسط سے متعلق جو آیات ہیں وہ زیادہ تر عدالت فردی سے زیادہ عدالت اجتماعی کی طرف اشارہ کرتی ہیں ۔

ہم یہاں اس مقالے میں اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے عدل اجتماعی کے بارے میں وارد شدہ آیات کریمہ میں سے فقط بعض کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سورہ نساء کے اندر مومنوں کو اپنی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ معاملات انجام دیتے وقت عدل کی رعایت کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنّ اللّٰہَ یَاْ مُرُکَمْ اَنْ تُوئَ دّو الْاَما نَاتِ اِلیٰ اَھلِھا وَاِذا حَکَمْتُمْ بین النَّاسِ اَن تَحکُمُوا بِا لعَدْلِ اِنّ اللّٰہَ نِعِمّا یَعِظُکُمْ بہ اِنَّ اللّٰہُ کانَ سَمِیعاً بَصِیْراً [1]

بے شک اللہ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو۔ اللہ تمہیں مناسب ترین نصیحت کرتا ہے یقیناً اللہ تو ہر بات کو خوب سنتا، دیکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امانت کی رعایت کے حکم کے بعد لوگوں کے درمیان پیش آنے والے اختلافات اور مسائل میں عدل کی رعایت کا حکم دیا ہے۔

معروف مفسر اور عارف محی الدین ابن عربی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کی استعداد اور صلاحیتوں کے مطابق اس کا پورا پورا حق دے دو۔[۲]

مفسر قرآن امین احسن اصلاحی نے اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں لکھا ہے:

''امانت'' کا لفظ یہاں اپنے محدود مفہوم میں نہیں ہے بلکہ جس طرح إِنَّا عَرَضْنَا الأَمَانَةَ عَلَى السّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ (ہم نے امانت کو پیش کیا آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر) والی آیت میں یہ آیا ہے اسی طرح یہاں بھی نہایت وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ تمام حقوق اور فرائض، خواہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد سے، انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے، اپنوں سے متعلق ہوں یا اجنبیوں سے، مالی معاملات ہوں یا سیاسی معاہدے، امن و آشتی سے متعلق ہوں یا جنگ سے۔ غرض جس نوعیت اور جس درجے کے حقوق اور فرائض ہوں وہ سب امانت کے مفہوم میں شامل ہیں اور مسلمانوں کو شریعت اور اقتدار کی امانت سپرد کرنے کے بعد اجتماعی حیثیت سے سب سے پہلے جو ہدایت ہوئی وہ یہ ہے کہ تم کو جن حقوق و فرائض کے ذمہ دار بنائے جا رہے ہو ان کو ٹھیک ادا کرنا۔

حقوق و فرائض کے لیے امانت کا لفظ ایک تو یہ تصور پیدا کرتا ہے کہ یہ سب خدا کی سپرد کردہ امانتیں ہیں اس لیے کہ ان کا عائد کرنے والا خدا ہی ہے۔ دوسرا یہ کہ ان ساری امانتوں سے متعلق ایک دن حتمی طور پر باز پرسی ہونا ہے اگر ان میں خیانت ہو گی تو کوئی چیز خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکے گی۔

'' وَاِذا حَكَمْتُمْ بين النَّاسِ'' اس آیت میں اقتدار کی جملہ ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے جو کہ امانت کا نہایت ہی اہم پہلو ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ اپنی زمین میں اقتدار سے نوازا ہے ان کی اولین ذمہ داری یہی ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان سے تنازعات اور فسادات کو عدل و انصاف سے نمٹائیں۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ قانون کی پاس داری میں امیر و غریب، شریف و وضیع، کالے اور گورے میں کوئی تفریق نہ ہو، انصاف خرید و فروخت اور تجارتی پیشہ نہ بنے اس میں کسی جنبہ داری، عصبیت، سہل انگاری اور کوتاہی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور عدالت کسی دباو، زور زبردستی، حرص و لالچ اور انا پرستی کا شکار نہ ہو جائے۔

جس کسی کو بھی اللہ تعالیٰ اس زمین میں اقتدار دیتا ہے، اسی عدل کے قیام کے لیے دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے ہاں عادل حکمران کا اجر بھی زیادہ ہے اور فرائض کی غفلت پر سزا بھی سخت ہے۔ اس وجہ سے تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ بہت ہی اعلیٰ نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ تمہیں کر رہا ہے اس میں کوتاہی نہ ہو۔ آخر میں اپنی صفات سمیع و بصیر کا حوالہ دیا ہے کہ یاد رکھو کہ خدا سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے، کوئی چھوٹی اور معمولی ناانصافی بھی اس سے مخفی رہنے والی نہیں۔[۳]

انبیاء کی بعثت کا مقصد، عدل اجتماعی کا قیام

انسانی معاشرے میں عدل اجتماعی کے قیام کو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بعثتِ انبیاء کرام کا ہدف اور مقصد قرار دیا ہے۔

جیسے سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالبَیِّنٰتِ و اَنْزَلنَا معھم الکتَابَ والمِیزانَ لِیَقومَ النّاسُ بالقِسطِ [۴]

بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں۔

قرآن کے ہاں عدل کی اہمیت کا اندازہ اسی آیت کریمہ سے ہو جاتا ہے کہ جس میں اللہ تعالی نے عدل و انصاف کے قیام کو انبیاء کرامؑ کی بعثت کا ہدف اور مقصد قرار دیا ہے۔

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس مختصر سے فقرے میں انبیاء علیہم السّلام کے بھیجے جانے کا مقصد بیان کیا گیا ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں خدا کے جتنے رسول بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے وہ سب تین چیزیں لے کر آئے تھے:

۱۔ **بیّنات**، یعنی کھلی کھلی نشانیاں جو واضح کر رہی تھیں کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں، بنے ہوئے لوگ نہیں ہیں۔ روشن دلائل جو اس بات کو ثابت کرنے کے لیے بالکل کافی تھے کہ جس چیز کو وہ حق کہہ رہے ہیں وہ واقعی حق ہے اور جس چیز کو وہ باطل قرار دے رہے ہیں وہ واقعی باطل ہے۔ واضح ہدایات جن میں کسی اشتباہ کے بغیر صاف صاف بتا دیا گیا تھا کہ عقائد، اخلاق، عبادات اور معاملات میں لوگوں کے لیے راہ راست کیا ہے جسے وہ اختیار کریں اور غلط راستے کون سے ہیں جن سے وہ اجتناب کریں۔

۲۔ **کتاب**، جس میں انسان کی ضرورت کے متعلق تمام تر معلومات تعلیمات لکھ دی گئی تھیں تاکہ لوگ رہنمائی کے لیے اس کی طرف رجوع کر سکیں۔

۳۔ **میزان**، یعنی وہ معیار جو حق و باطل کو ٹھیک طرح سے پرکھے اور افکار، اخلاق اور معاملات میں افراط و تفریط کے مواقع پر انصاف کی سمت کا تعین کرے۔

ان تین چیزوں کے ساتھ انبیاء علیھم السّلام کو بھیجے جانے کا بنیادی مقصد دنیا میں انسان کا رویہ بہتر ہو اور انسانی زندگی کا نظام میں بہتری آئے، فردی اور اجتماعی سطح پر عدل پر قائم ہو۔ ایک طرف ہر انسان اپنے خدا

کے حقوق، اپنے نفس کے حقوق اور ان تمام بندگان خدا کے حقوق جن سے اس کو کسی طور پر واسطہ پڑتا ہے، ٹھیک ٹھیک جان لے اور پورے انصاف کے ساتھ ان کا حق ادا کرے۔ اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کا نظام ایسے اصولوں پر تعمیر کیا جائے جن سے معاشرے میں کسی طرح کا ظلم باقی نہ رہے، تہذیب و تمدن کا ہر پہلو افراط و تفریط سے محفوظ ہو، حیات اجتماعی کے تمام شعبوں میں صحیح توازن قائم ہو، اور معاشرے کے تمام عناصر انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے فرائض ادا کریں۔ بالفاظ دیگر انبیاء علیہم السّلام کی بعثت کا مقصد عدل انفرادی بھی تھا اور عدل اجتماعی بھی۔ وہ ایک ایک فرد کی شخصی زندگی میں بھی عدل قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کے ذہن، اس کی سیرت، اس کے کردار اور اس کے برتاو میں توازن پیدا ہو۔ اور انسانی معاشرے کے پورے نظام کو بھی عدل پر قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کی روحانی، اخلاقی اور مادّی فلاح میں مانع و مزاحم ہونے کے بجائے معاون و مددگار ہوں۔

اور اس آیت کے بعد والے جملے یعنی وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ ...کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لوہا اتارنے کا مطلب زمین میں لوہا پیدا کرنا ہے، جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن میں فرمایا: وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ[5] ''اس نے تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ قسم کے نر و مادہ اتارے۔'' چونکہ زمین میں جو کچھ پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں نازل ہوا ہے، خود بخود وجود میں نہیں آیا ہے، اس لیے ان کے پیدا کیے جانے کو قرآن مجید میں نازل کیے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

انبیاء علیہم السّلام کے مشن کو بیان کرنے کے ساتھ ہی یہ فرمانا کہ ''ہم نے لوہا نازل کیا جس میں بڑا زور اور لوگوں کے لیے منافع ہیں''، خود بخود اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں لوہے سے مراد سیاسی اور جنگی طاقت ہے، اور کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو عدل قائم کرنے کی محض ایک منصوبہ بندی کے طور پر مبعوث نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں شامل تھی کہ اس کو عملاً نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ طاقت اور توانائی فراہم کی جائے جس سے فی الواقع عدل قائم ہو سکے، اور قانون شکنی کرنے والوں کو سزا دی جاسکے اور اس کی مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جاسکے۔[6]

سورہ مبارکہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو لوگوں کے مابین عدل قائم کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

وقُلْ آمَنْتُ بما انزلَ اللهُ مِن كتاب واُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ [7]

اور کہہ دیجئے: اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں نے اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

معروف مفسر قرآن امام فخر الدین رازی نے اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں لکھا ہے:

یعنی جب تمہارے درمیان نزاع برپا ہو جائے تو مجھے (پیغمبرؐ کو) حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدالت کے ساتھ حکم اور فیصلے کروں۔ یعنی میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہ کروں اور قضاوت کے معاملات میں بھی اپنے اور تمہارے درمیان مساوات کا لحاظ رکھوں، اور اسی طرح مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے اکابرین اور ضعفاء کے درمیان فیصلے اور قضاوت کرنے میں بھی مساوات کا لحاظ رکھوں اور بلاوجہ کسی کو کسی پر ترجیح نہ دوں۔[۸]

سورہ اعراف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قسط یعنی عدل قائم کرے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

قُلْ اَمَرَ رَبِّي بالقِسْطِ [۹]

کہہ دیجئیے: میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔

مندرجہ بالا ان تین آیتوں میں گویا بعثت انبیاء کے فلسفے کو عدل کا قیام بتایا گیا ہے۔

عدل کا بلا قید و شرط مطالبہ

اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں مومنین کو بے لاگ اور بلا مشروط عدل کا حکم دیتا ہے۔ چاہے یہ عدل خود اپنے یا اپنے عزیز و اقارب کے خلاف ہی کیوں جائے۔

سورئہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ مومنین کو عمومی خطاب فرماتے ہوئے انہیں قسط یعنی عدل قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے اور انہیں تنبیہ فرماتا ہے کہیں ایسا نہ ہو آپس کی قرابتیں انہیں عدل کی راہ سے خارج نہ کرنے پائیں۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّها الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۔[۱۰]

اے ایمان والو! انصاف کے سچے داعی بن جاو اور اللہ کے لئے گواہ بنو اگرچہ تمہاری ذات یا تمارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی امیر یا فقیر ہے تو اللہ کا بہتر خیر خواہ ہے لہٰذا تم خواہش نفس کی وجہ سے عدل نہ چھوڑو اور اگر تم نے کج بیانی سے کام لیا یا (گواہی دینے سے) پہلو تہی کی تو جان لو کہ اللہ تمہارے اعمال سے یقیناً خوب باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے اندر عدل انصاف کا ایسا پیمانہ مہیا فرمایا ہے کہ جس کے مطابق تمام دنیوی تعلقات اور رشتہ داریوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے غیر جانب دار انصاف کا حکم ہے، جس کے مطابق چاہے انسان کے اپنے والدین اور رشتہ دار ہی اس کی زد میں کیوں نہ آئیں پھر بھی انصاف پر قائم رہنے اور اللہ کے لیے گواہی دینے کا حکم ہے کیونکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے والدین کے ساتھ خیر خواہی کے بہانے عدل کے دامن کو چھوڑ دے تو یہاں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، اور کوئی شخص اللہ سے بڑھ کر کسی کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا لہٰذا رشتہ داری کے بہانے بھی عدل کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

معروف مفسر آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :

يَاَيُّها الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ، ای مواظبین علی العدل فی جمیع الامور مجتهدین فی ذٰلک کل الاجتهاد لا یصرفکم عنه صارف، و عن الراغب انّه سبحانه نبّه بلفظ القوامین علی ان مراعاة العدالة مرّة او مرّتین لا تکفی بل یجب ان تکون علی الدوام ، فالامور الدینیة لا اعتبار بها ما لم تکن مستمرة دائمة ، و من عدل مرّة او مرّتین لا یکون فی الحقیقة عادلاً ای لا ینبغی ان یطلق فیه ذالک "شهداء" بالحق "لله" بأن تقیموا شهاداتکم لوجه الله تعالیٰ لا لغرض دنیوی۔"

اے ایمان والو انصاف کے سچے داعی بن جاو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یعنی تمام امور میں عدل کی رعایت کریں اور اس راہ میں اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لائیں اور کوئی بھی تمہیں اس عدل کی راہ میں قدم اٹھانے سے منصرف نہ کر سکے۔ راغب اصفہانی نے لفظ "قوّامین" کی توضیح میں کہا ہے کہ عدالت ایک ایسی صفت ہے کہ جس کی رعایت ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا کافی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اس کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ چونکہ دینی امور کی خصوصیت یہ ہے کہ جب تک یہ دائمی طور پر انجام نہ دیے جائیں ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اسی لیے جو شخص اپنی زندگی میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ عدل انجام دے تو وہ شخص حقیقی عادل نہیں ہے، یعنی " شھداء بالحق " کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا کہ جو اللہ کے لیے حق کے ساتھ گواہی دے نہ کسی دنیوی غرض کے لیے۔

مفسر قرآن علامہ شیخ محسن نجفی اس آیت کے تناظر میں کہتے ہیں: عدل کا انفرادی حکم مختلف آیات میں آیا ہے لیکن اس آیت میں عدل اجتماعی کا حکم ہے کہ عدل و انصاف کے قوام یعنی سچے داعی بن جائیں۔ مومن کا فریضہ فقط یہ نہیں کہ خود عدل و انصاف کرے اور معاشرے میں موجود ظلم و زیادتی سے لاتعلق ہو جائے بلکہ مومنین کہ ذمہ داری ہے کہ معاشرے میں بھی عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

حضرت علی فرماتے ہیں: ''العدل سائس عام'' عدل ایک جامع نظام ہے۔ عدل اجتماعی کی اہمیت کے بارے میں فرمایا:

وَ إِنَّ قُرَّةِ عَيْنِ الْوُلَاةِ اسْتِقَامَةُ الْعَدْلِ فِي الْبِلَادِ

یعنی حکمرانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ملک میں عدل وانصاف کا قیام اور استحکام ہے۔

آیہ شریفہ میں یہ نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔ عدل وانصاف کا نظام قائم کرو۔

۲۔ گواہی اللہ ہی کے لئے دیا کرو۔

۳۔ اپنی ذات یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو تو بھی سچی گواہی دو۔

۴۔ دولت مندی اور فقیری کا لحاظ نہ کرو۔ کیونکہ عدل وانصاف امیر و غریب دونوں کے مفاد میں ہے۔ [۱۲]

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں مومنین کو حتی دشمنوں کے معاملے میں بھی بے انصافی سے رکنے اور ان کے ساتھ بھی عدل وانصاف اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّها الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِوَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ [۱۳]

اے ایمان والو! اللہ کے لئے بھرپور قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاو اور کسی قوم کی دشمنی تمہاری بے انصافی کا سبب نہ بنے۔ (ہر حال میں) عدل کرو۔ یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

اللہ یہاں لوگوں کو خبردار کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آپس کا بغض و کینہ اور دشمنی تمہارے درمیان عدل قائم کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ یہ اسلام کا طرہ امتیاز ہے کہ اس نے انسان کو ہر حال میں عدل وانصاف اختیار کرنے کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی عدل وانصاف کے برتاؤ کا حکم دیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ عدالت کی رعایت کرنے کی نصیحت فرمائی ہے اور اسے تقویٰ کے سب سے زیادہ نزدیک راستہ قرار دیا ہے، یعنی اگر انسانی کمال کا نقطہ عروج تقویٰ ہے تو اس تقویٰ تک پہنچنے کا راستہ عدالت ہے۔

شیخ محسن نجفی اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں: متعدد آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام عدل وانصاف کو بنیادی انسانی حقوق میں سے قرار دیتا ہے۔ اس میں مذہب، نسل وغیرہ کا کوئی دخل نہیں

ہے۔اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم ملا ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی عدل وانصاف سے پیش آیا کرو جہاں وہ دشمن ہے وہاں انسان بھی ہے بلکہ پہلے انسان اور بعد میں دشمن ہے۔

حضرت علیؑ کا قول ہے کہ :

امّا اخ لک فی الدین وامّا نظیرک فی الخلق[14]

یا تو وہ تمہارا برادر دینی ہے یا تجھ جیسی مخلوق۔[15]

سورہ نحل میں بھی اللہ تعالیٰ لوگوں کو عدل واحسان کا حکم دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[16]

یقیناً اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (انکا حق) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے منع کرتا ہے۔وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے شاید تم نصیحت قبول کرو۔

اس آیت میں جہاں عدل وانصاف کا حکم ہے وہاں احسان کا بھی حکم ہے۔

معروف مفسر قرآن علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان میں تفصیلی طور پر عدالت خصوصاًاس کے اجتماعی پہلو کے بارے میں بحث کی ہے۔ علامہ نے اس آیت "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى ..." کی تفسیر میں عدالت کے معانی اور مصادیق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عدالت اجتماعی کی اہمیت کو بھی بیان کیا ہے علامہ کہتے ہیں کہ معاشرے کی اصلاح فرد کی اصلاح سے بہتر ہے۔ان کی نظر میں عدالت ایک ایسا اصول ہے کہ جو اجتماع کی اصلاح کا موجب بنتا ہے اور اس نتیجے میں افراد کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے چونکہ ہر شخص کی عادت اور صلاح اجتماع کی سعادت اور صلاح پر موقوف اور منحصر ہے کہ جس اجتماع میں وہ زندگی بسر کرتا ہے۔علامہ طباطبائی لکھتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ نے پہلے ان تین احکام کو اپنی اپنی اہمیت کے اعتبار سے ترتیب وار بیان فرمایا ہے کہ جن پر انسانی معاشرے کی بنیاد ہے۔ چونکہ اسلام کی نظر میں جو چیز اسلامی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہم ہے وہ امت کی اصلاح اور عوامی فلاح وبہبود ہے۔چونکہ اگرچہ انسان اپنی ذات میں ایک فرد ہے اور ہر فرد کی منفعت اور نقصان خود اسی سے مربوط ہے لیکن انسان چونکہ اجتماعی زندگی گزارتا ہے لہٰذا ہر فرد کی سعادت اور خوش بختی اجتماعی خوش حالی اور سعادت مندی میں منحصر ہے اگر امت اور پورا معاشرے گمراہی کا شکار ہو جائے تو فردی سطح پر ہدایت اور کامیابی کا حصول نہ صرف مشکل ہوگا بلکہ بسا اوقات ناممکن بھی ہوگا"۔

اور عدالت کی ماہیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہر کام میں میانہ روی اختیار کرنے اور افراط و تفریط سے گریز کرنے کا نام عدالت ہے، اور یہ عدالت کے اصلی معنی کا لازمہ ہے چونکہ عدالت کا اصلی معنی تمام امور میں مساوات قائم کرنے کا نام ہے یعنی ہر چیز کے ساتھ وہی برتاو کرنا جس کی وہ مستحق اور سزاوار ہے تاکہ تمام امور میں مساوات برقرار رہے اور انہیں ان کا اپنا جائز مقام ملے۔ پس اعتقاد میں عدالت یہ ہے کہ جو چیز حق ہے اس پر ایمان لائیں، اور عدالت فردی یہ ہے کہ انسان ایسا کام انجام دے کہ جس میں اس کی سعادت مضمر ہو اور ایسے کاموں سے اجتناب کرے جو اس کے لیے بد بختی کا باعث ہوں۔ دوسروں کے ساتھ روابط میں عدالت یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کا حق دے کہ جس کا وہ عقل یا شرع یا عرف کے حکم کی بنیاد پر مستحق ہو۔ پس احسان کرنے والے کے ساتھ نیکی کرے اور برائی کرنے والے کو اس کی برائی کی سزا دے، اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کرے اور اس کے ساتھ انصاف کرے اور قانون نافذ کرتے وقت مساوات کا لحاظ کرے اور تبعیض سے اجتناب کرے۔[۱۷]

علامہ طباطبائی اسی آیت کی تفسیر میں آگے چل کر عدالت کو فردی اور اجتماعی عدالت میں تقسیم کرتے ہیں اور آیت میں مقصود عدل کو عدالت اجتماعی قرار دیتے ہیں:

"وکیف کان فالعدل وان کان منقسما الی عدل الانسان فی نفسه والی عدله بالنسبة الی غیره، وهما العدل الفردی والعدل الاجتماعی ، واللفظ مطلق لکن ظاهرالسیاق ان المراد به فی الأیة العدل الاجتماعی وهو ان یعامل کل من افراد الجتمع بما یستحقه ویوضع فی موضعه الذی ینبغی ان یوضع فیه، وهذا امربخصلة اجتماعیه متوجه الی افراد المکلفین بمعنی ان الله سبحانه یأ مر کل واحد من افراد المجتمع ان یأتی بالعدل، ولازمه ان یتعلق الأمر بالمجموع ایضا فیکلف المجتمع اقامة فذا الحکم وتتقلده الحکومة بما انها تتولی امرالمجتمع و تدبّره"[۱۸]

بہر حال اگرچہ عدالت دو قسموں پر مشتمل ہے عدالت انسانی اپنی ذات میں اور دوسری عدالت انسانی دیگر افراد کی نسبت۔ اور وہ ہے عدالت فردی اور عدالت اجتماعی اور (یہاں آیت میں) اگرچہ لفظ عدالت مطلق طور پر آیا ہے لیکن آیت کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں اس آیت میں عدل سے مراد عدالت اجتماعی ہے۔ اور عدالت اجتماعی یہ ہے کہ معاشرے کے تمام لوگوں کے ساتھ اس طرح مناسب برتاو ہو کہ جس کے وہ خود مستحق ہیں۔ اور ان کو ان کا جائز مقام دے جس کے وہ اہل ہیں اور یہ ایک ایسی اجتماعی خصلت ہے کہ تمام مکلّف افراد اس کو انجام دینے کے پابند ہیں۔ اس معنی میں کہ خداوند اجتماع کے ہر فرد کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدالت کو قائم کریں اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ یہ حکم پورے اجتماع کے ساتھ بھی تعلق پیدا کرے۔ پس فرداً

فرداً بھی اس حکم کے بجالانے کا پابند ہے اور نیز اجتماع بھی اس حکم عدالت کے بجالانے کا پابند ہے کہ جس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے چونکہ وہ معاشرے کا متولی ہے۔

علامہ کے کلمات میں اہم نکتہ یہ ہے کہ انھوں نے عدالت کی عام اور عرفی تعریف یعنی وضع کل شیئ فی موضعه (ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا) اور اعطاء کلّ ذی حق حقّه (ہر ایک کو اپنے حق کے مطابق دینا) کو اس کی اجتماعی خصلت کی بناء پر عدالت اجتماعی کے زاویہ سے دیکھا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علامہ عدالت کے اجتماعی پہلو کو باقی تمام پہلوؤں اور مصادیق پر مقدم سمجھتے ہیں اور عدالت کو اس کے اجتماعی پہلو کے اعتبار سے دیکھتے ہیں۔ اور اس کے تحقق اور رائج کرنے کو معاشرے کے افراد اور حکومت کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت سے متعلق مختلف علماء کے اقوال کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اقول:ظاهر هذه الآية يدل علىٰ انّه تعالىٰ أمر بثلاثة اشياء ، و هى : العدل و الاحسان و ايتاء ذيالقربىٰ، و نهي عن ثلاثة اشياء و هى :الفحشاء و المنكر و البغى-امّا العدل فهو عبارة عن الامر المتوسط بين طرفي الافراط و التفريط ، و ذٰلک امر واجب الرعاية فى جميع الاشياء-

و لابدّ من تفصيل القول فيه، فنقول: الاحوال التى وقع التكليف بها امّا الاعتقادات و امّا اعمال الجوارح - امّا الاعتقادات: فالعدل فى كلّها واجب الرعاية،... والعدل هو اثبات الالٰه واحد و هو قول لا اله الّا الله ... والعدل هو اثبات ان الالٰه عالم قادر حى مع الاعتراف بان صفاته ليست حادثة و لا متغيرة- [١٩]

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے: یعنی عدل اور احسان کا اور قرابتداروں کے حقوق ادا کرنے کا۔ اسی طرح تین چیزوں یعنی بے حیائی، برائی اور زیادتی سے منع فرمایا ہے۔

عدل افراط و تفریط کی درمیانی حالت کا نام ہے، اور اللہ نے تمام امور میں عدل کے لحاظ کا حکم دیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جن چیزوں میں ہم اللہ کی طرف سے مکلف قرار دیے گئے ہیں وہ یا تو اعتقادات ہیں یا عملی طور پر انجام دینے والے اعمال۔ اعتقادات کے تمام موارد میں عدل کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور اس مقام پر عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کو تنہا معبود حقیقی ثابت کریں اور ”لا اله الا الله“ کا اقرار کریں، اور

اعتقادات میں عدل کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کو عالم و قادر اور زندہ (حی) ثابت کریں اور اس بات کا اعتراف کریں کہ اس کی صفات نہ تو حادث ہیں اور نہ ہی متغیر۔

البتہ عملی طور پر انجام دینے والے اعمال میں عدالت یہ ہے کہ نہ بعض لوگوں کی طرح تکالیف شرعیہ کا بالکل انکار کریں اور نہ بعض دوسرے لوگوں کی طرح تکالیف شرعیہ میں مبالغہ کرتے ہوئے رنج و مشقت کو جائز قرار دیں (یعنی نہ دین مسیحیت کی طرح انتہائی سہل انگاری کریں اور نہ یہودیت کی طرح سختی اور مشقت کے قائل ہوں) بلکہ دین وسط اور معتدل کہ جسے پیغمبر اسلام ﷺ نے لایا ہے، اس پر عمل کریں۔

نتیجہ: عدالت سے متعلق قرآن مجید کی مختلف آیات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے نزدیک عدالت کا حصول ایک بلند ترین ہدف ہے۔ یہاں تک کہ اسے بعثت انبیاء کا مقصد قرار دیا گیا ہے۔ اور اللہ نے اپنے انبیاء کو بھی معاشرے میں عدل اجتماعی قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام انسانوں سے بھی یہی تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ معاشرے کے اندر آپس کے روابط میں عدالت کا لحاظ کریں۔ عدالت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ حتی اپنے دشمن کے ساتھ روابط اور تعلقات میں بھی عدالت کا لحاظ کریں اور کسی قوم کی دشمنی اس بات کا باعث نہ بنے کہ وہ عدالت چھوڑ دیں۔ یہ اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز ہے کہ جس نے دوست دشمن، اپنے پرائے سبھی کے ساتھ روابط میں عدالت کے لحاظ کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ جب مسلمان کفار کے ساتھ جنگ میں مشغول ہوں تب بھی انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے ساتھ دشمنی کی بناء پر عدالت کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں بلکہ جنگ کے دوران اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی عدالت کا لحاظ کریں اور جنگ میں بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کریں، ان کے بیوی بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں، یہاں تک کہ ان کی زمینوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور ان کے درختوں کو نہ کاٹیں۔

تو یہ خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ لوگوں کو ہر حال میں عدالت کے لحاظ کا حکم دیتا ہے۔ ورنہ دنیا کی دوسری قوموں کے درمیان تو یہ مشہور ہے کہ دشمنی اور جنگ کے موقع پر ہر چیز جائز ہے اور اپنے دشمن کو شکست دینے کے لیے کوئی بھی ناروا اور غیر انسانی رویہ اختیار کرنا جائز ہے۔

پس عدالت سے متعلق قرآن مجید کے دستورات پر عمل کر کے کوئی بھی معاشرہ فلاح پا سکتا ہے۔ آج جن معاشروں میں ناانصافی اور بے عدالتی کا بول بالا ہے، اس کی سب سے بنیادی وجہ قرآن مجید کے احکامات سے دوری ہے جس کی بناء پر وہ معاشرہ بے عدالتی کا شکار ہے۔ ناانصافی اور بے عدالتی کے اس ماحول سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگ اپنی زندگیوں میں ان قرآنی دستورات پر عمل کریں اور ہر قسم کے تعلقات اور روابط میں عدالت کا لحاظ کریں، تاکہ معاشرے میں عدالت اجتماعی عام ہو جائے اور ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو سکے۔

حوالہ جات

[1] ۔نساء:۵۸

[2] ۔ابن عربی، محی الدین بن علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ الطائی، تفسیر ابن عربی، جلد اول، صفحہ: ۶۴۱، طبع اول، دار احیاء التراث العربی، بیروت،۲۰۰۱ء، ۱۴۲۲ھ۔

[3] ۔اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، جلد ۲، صفحہ: ۳۲۲، ۳۲۳، طبع ہشتم، فاران فاؤنڈیشن، لاہور،۲۰۰۱ء، ۱۴۲۲ھ

[4] ۔حدید:۲۵

[5] ۔زمر:۶

[6] ۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، جلد۵، صفحہ: ۳۲۱، ۳۲۲، چاپ ۳۴، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۲ء، ۱۴۲۴ھ

[7] ۔ شوریٰ:۱۵

[8] ۔ فخر الدین رازی، امام محمد فخر الدین، التفسیر الکبیر، جلد ۱۴، صفحہ: ۱۵۹، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۲ء، ۱۴۲۳ھ

[9] ۔اعراف:۲۹

[10] ۔نساء:۱۳۵

[11] ۔ الآلوسی البغدادی، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی، تحقیق: محمد احمد الامد، عمر عبد السلام السلامی، جلد۵، صفحہ: ۲۱۸، طبع اول، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۹ء، ۱۴۲۰ھ

[12] ۔ نجفی، شیخ محسن علی، ترجمہ و حاشیہ قرآن کریم، صفحہ: ۱۰۳، چاپ ۳، امامیہ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

[13] ۔مائدہ:۸

[14] ۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۳

[15] ۔ نجفی، شیخ محسن علی، ترجمہ و حاشیہ قرآن کریم، صفحہ: ۱۱۲،۱۱۱

[16] ۔نحل:۹۰

[17] ۔ طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، جلد ۱۲، صفحہ: ۳۳۰، ۳۳۱، طبع ثانی، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۹۷۲ء، ۱۳۹۱ھ

[18] ۔ایضا، صفحہ: ۳۳۱

[19] ۔ فخر الدین رازی، امام محمد فخر الدین، التفسیر الکبیر، جلد ۱۰، صفحہ: ۱۰۵

منابع وماخذ

۱. ابن عربی، محی الدین بن علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ الطائی، تفسیر ابن عربی، جلد اول، طبع اول، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱ء

۲. اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، جلد ۲،، طبع ہشتم، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۱ء،

۳. مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، جلد ۵،، چاپ ۳۴، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۲ء،

۴. فخر الدین رازی، امام محمد فخر الدین، التفسیر الکبیر، جلد ۱۴، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۲ء،

۵. الآلوسی البغدادی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، تحقیق: محمد احمد الامد، عمر عبد السلام السلامی، جلد ۵،، طبع اول، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۹ء،

۶. نجفی، شیخ محسن علی، بلاغ القرآن، صفحہ: ۱۰۳، چاپ ۳، امامیہ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

۷. طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، جلد ۱۲، صفحہ ۳۳۰، ۳۳۱، طبع ثانی، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۹۷۲ء، ۱۳۹۱ھ